عروجِ بندۂ خاکی

پروفیسر ضیاء

حضرت شاہ ولی اللہ "الطاف القدس" میں فرماتے ہیں :-

"ونیز می باید دانست کہ خدائے تعالیٰ در انسان دو قوت خلق فرمودہ است قوتِ ناسوتیہ ارضیہ کہ آن را بقوت بہیمیہ نیز مسمی می کنند بداں قوت محاذات بہائم وسباع کند و در شمار آنہا داخل می شود و قوتِ ملکیہ و بداں قوتِ مساوات ملائکہ می نماید و در اعداد ایشاں معدود می شود"

(ترجمہ) اور نیز تمہیں جاننا چاہیئے کہ خدا تعالےٰ نے انسان میں دو قوتیں خلق فرمائی ہیں۔ ایک قوتِ ناسوتیہ ارضیہ کہ اسے قوتِ بہیمیہ بھی کہتے ہیں۔ اور اس قوت کی وجہ سے انسان جانوروں اور درندوں کے ہم پایہ ہوتا ہے اور اس کا ان میں شمار کیا جاتا ہے۔ اور دوسری قوت ملکیہ ہے اور اس قوت کی وجہ سے وہ فرشتوں کی برابری کرتا ہے اور ان میں شمار ہوتا ہے۔

یعنی انسان مرکب ہے دو قوتوں سے ان میں سے ایک قوت بہیمیہ ہے اور دوسری قوت ملکیہ اس کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ "تہذیب نفس سے مراد یہ ہے کہ انسان کی قوت بہیمیہ پر قوت ملکیہ کا اس طرح عمل دخل ہو کہ اس میں قوت ملکیہ کے اثرات ظاہر ہوں اور قوت بہیمیہ کے اثرات یا تو ناپید ہو جائیں، یا ان کا زور کم ہو جائے۔"

"ہمعات" میں شاہ صاحب نے انسان کے ان دونوں مَلکات کی زیادہ تفصیل سے بحث کی ہے وہ فرماتے ہیں :- اللہ تعالیٰ نے انسان میں دو قوتیں ودیعت کی ہیں۔ ایک قوت ملکیہ اور دوسری قوتِ بہیمیہ۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان میں ایک تو نسمہ ہے جو عبارت ہے روحِ ہوائی سے۔

اور یہ انسانی جسم میں طبعی عناصر کے عمل اور ردعمل سے پیدا ہوتی ہے۔ اس روح ہوائی سے اوپر انسان میں نفس ناطقہ ہے، جو روح ہوائی پر تصرف کرتا ہے۔ جب نفسِ ناطقہ روح ہوائی پر تصرف کررہا ہوتا ہے تو اس کے دو رجحان ہوتے ہیں۔ ایک رجحان انسان کو بھوک، پیاس، شہوت، غضب حسد، غصہ اور خوشی کے جبلی تقاضوں کی طرف اس طرح مائل کردیتا ہے کہ انسان پر اس کی حیوانیت غالب آجاتی ہے اور نفس ناطقہ کا دوسرا رجحان انسان کو فرشتوں کی صف میں کھڑا کردیتا ہے۔ اس حالت میں وہ حیوانی تقاضوں سے رہائی حاصل کرلیتا ہے، جس کے نتیجے میں اس مادی عالم سے اوپر جو عالم تجرد ہے، وہاں سے اس پر انس و سرور کا نزول ہوتا ہے۔ اور ملاءِ اعلیٰ کے وہ افراد جو اہل دنیا کو فیوض و برکات پہنچانے کا ذریعہ ہیں، یہ شخص ان کی طرف گوش برآواز ہوجاتا ہے۔ اس مقام سے اس پر الہامات کا فیضان ہوتا ہے، اب اگر یہ الہامات حقائق قدرت کے انکشافات کے متعلق ہوں، تو ان سے دنیا میں علوم طبیعیہ کی بنا پڑتی ہے۔ اور اگر یہ الہام کسی نئے نظام کو شروع کرنے اور اس کو رواج دینے کے متعلق ہوں، تو وہ شخص جسے یہ الہامات ہوتے ہیں، وہ ان کاموں کو اس طرح کرتا ہے گویا کہ وہ ان کے لئے اوپر سے مامور ہے اور خود اسے ان کاموں کی کوئی ذاتی خواہش نہیں۔

انسان کے نفس ناطقہ کے یہ دونوں رجحانات اس کے اندر فطرت کی طرف سے جو دو قوتیں، بہیمیت اور ملکیت، ودیعت کی گئی ہیں ان کے عمل اور ردعمل کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اب جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں: "کسی انسان میں بہیمیت کی قوت زیادہ ہوتی ہے اور ملکیت کی نسبتاً کم اور کسی میں بہیمیت کی قوت کم ہوتی ہے اور ملکیت کی قوت نسبتاً زیادہ۔ پھر جس طرح قوتِ ملکیت کے بہت سے مدارج ہیں، اسی طرح قوتِ بہیمیت کے بھی بہت سے مدارج ہیں۔ اور مختلف انسانوں میں ملکیت اور بہیمیت کی یہ قوتیں مختلف درجوں میں پائی جاتی ہیں چنانچہ انسان کی طبعی استعدادوں میں جو فرق پایا جاتا ہے، اس کا سبب ان میں ملکیت اور بہیمیت کی قوتوں کے مختلف درجوں میں پایا جانا ہے۔

انسان کے اندر ان کی یہ بہیمی اور مَلَکی قوتیں ایک دوسرے پر کس طرح تصرف کرتی ہیں۔ اور ان کے باہمی عمل و ردعمل کی کیا کیا صورتیں ہیں، شاہ صاحب نے ان پر بھی بحث کی ہے۔ "ہمعات"

میں لکھتے ہیں:۔ یہ دو قوتیں جب ایک انسان میں جمع ہوتی ہیں، تو لامحالہ اس سے دو صورتیں پیدا ہوں گی۔ ایک یہ کہ ملکیت اور بہیمیت میں آپس میں کھنچی رہے۔ اس کو "تجاذب" کہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ملکیت اور بہیمیت میں آپس میں ہم آہنگی ہو۔ اس حالت کو "اصطلاح" کا نام دیا گیا ہے جو شخص کہ اہل اصطلاح میں سے ہوگا، اس کی طبیعت کا عام انداز یہ ہے کہ وہ اعضا و جوارح کے اعمال اور دل و دماغ کے احوال میں بے حد مؤدب ہوتا ہے۔ وہ اپنے اندر حق شناسی کا جوہر رکھتا ہے نیز وہ دین اور دنیا دونوں کے مصالح کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور عام طور پر ایسے لوگوں میں قلق و اضطراب کی کیفیت نہیں ہوتی۔

اس کے برعکس جو شخص کہ اہل تجاذب میں سے ہو۔ اسے دنیا کے کاموں سے بالکل کنارہ کش ہونے کا عشق ہوتا ہے۔ اس کی بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ مادی دنیا سے تجرد اختیار کرے۔ اہل تجاذب میں سے جس کی قوتِ بہیمی ضعیف ہو، وہ اگر کسی چیز کی طرف میلان رکھتا ہے تو اس کے میلان میں بھی بے قراری اور زور نہیں ہوتا اور جس کی قوتِ بہیمی شدید ہوتی ہے اس کی طبیعت میں بے چینی اور اضطراب زیادہ ہوتا ہے۔ اہل تجاذب میں سے اگر کسی شخص میں بہیمی قوت بہت زیادہ شدید ہو، تو وہ بڑے بڑے کاموں پر نظر رکھتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر اس میں ملکی قوت بھی شدید ہو، تو وہ انبیائے کرام کی طرح ان جلیل القدر مقامات کو حاصل کرتا ہے جو عمومی اصول و کلیات کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ لیکن اگر اس شخص میں صرف قوت بہیمی ہی بہت زیادہ شدید صورت میں موجود ہوگی اور اس کے ساتھ شدید قوت ملکی نہ ہوگی تو یہ شخص میدان جنگ میں اور عزت و حمیت کے معاملات میں غیر معمولی جرأت و بہادری دکھائے گا۔

اہل اصطلاح اور اہل تجاذب کی مزید اقسام بتاتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں:۔ دنیا میں احکام شرع کے سب سے زیادہ فرماں بردار اہل اصطلاح ہوتے ہیں ان میں سے جن لوگوں میں ملکی قوت شدید ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود اور اس کے دستوروں کے محقق اور ان کی حکمتوں کو جاننے والے ہوتے ہیں، لیکن اہل اصطلاح میں سے جن میں ملکی قوت ضعیف ہو وہ محض ان حدود کے مقلد ہوتے ہیں۔ اہل تجاذب اگر بہیمیت کے بندھنوں کو توڑنے میں کامیاب

ہو جائیں اور اس کے ساتھ ان کی مَلکی قوت بھی شدید ہو تو ان کی ہمت اللہ تعالےٰ کے اسماء وصفات اور فنا و بقا کے مقامات کی معرفت کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے لیکن اگر ان میں ملکی قوت ضعیف ہو تو وہ شریعت میں سے سوائے ریاضتوں اور اوراد و وظائف کے جن سے کہ مقصود محض طبیعت کے بہیمی زور کو توڑنا ہوتا ہے اور کچھ نہیں جانتے۔ اس قسم کی طبیعت والوں کے لئے انتہادرجے کی مسرت یہ ہوتی ہے کہ وہ ملکی انوار کو اپنے سامنے درخشاں دیکھتے ہیں۔

اہل اصطلاح اور اہل تجاذب کمال کی منزلیں کس طرح طے کرتے ہیں۔ اس بارے میں شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں۔ اہل اصطلاح کا یہ حال ہے کہ وہ اس راہ میں بہت آہستہ آہستہ چیونٹی کی چال چلتے ہیں اور یک بارگی ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی لیکن اہل اصطلاح میں سے جس شخص میں قوت بہیمی شدید ہو اس کا معاملہ دوسرا ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو اہل تجاذب میں سے ہیں اور ان کی ملکی قوت ضعیف ہے۔ اگر ان کی بہیمی قوت شدید ہے تو جب وہ ریاضتیں کرتے ہیں یا کوئی قوی التوجہ بزرگ ان پر اپنی تاثیر ڈالتا ہے تو ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ خواب میں اور حالت بیداری میں انوار کو اپنے سامنے درخشاں پاتے ہیں۔ سچی خوابیں دیکھتے ہیں۔ ہاتف کی آوازیں سنتے ہیں اور ان پر الہامات ہوتے ہیں۔ اور وہ اس سلسلے میں غیر معمولی استقامت و صدق کا ثبوت دیتے ہیں اہل تجاذب میں سے جن میں ملکی قوت ضعیف ہے اور ان کی بہیمی قوت بھی ضعیف ہے، ان پر زیادہ تر معنوی تجلیات اور نکات و حقائق سمجھنے کی کیفیت غالب رہتی ہے۔ اور اہل اصطلاح میں وہ لوگ جنکی ملکی قوت شدید ہے اور وہ انبیائے کرام کے علوم حاصل کرنے کی استعداد رکھتے ہیں۔ مثلاً وہ ملاءِ اعلیٰ کے فرشتوں کو دیکھتے ہیں۔ عبادات کے اسرار، اقوام و ملل کی سیاست کے رموز، گھر بار اور شہروں کے نظم و نسق کے اصولوں اور اخلاق و آداب کے اساسی مقاصد سے واقف ہوتے ہیں اور اس زندگی کے بعد دوسری زندگی میں جو کچھ پیش آئے گا، انہیں اس کا علم ہوتا ہے، لیکن اگر ان کی ملکی قوت شدید نہ ہو تو خواہ وہ کتنی ریاضتیں کریں، ان کو کرامات اور خوارق میں سے کوئی چیز بھی حاصل نہیں ہوتی۔"

اس کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں:-

قصہ مختصر یہ ہے کہ دنیا میں بہترین لوگ وہ ہیں، جن میں ملکی قوت شدید ہوتی ہے اب

اگر یہ شدید ملکی قوت والے اہل اصطلاح میں سے ہوں، تو یہ قوموں کی قیادت اور امامت کے مستحق ہوتے ہیں اگر یہ اہل تجاذب میں سے ہوں گے تو علم الہیات کی شرح و ترجمانی میں ان کی زبان بڑی فصیح ہوگی۔ وہ لوگ جن کی بہیمی قوت شدید ہوتی ہے، وہ لوگوں کے سردار و مقتدر بنتے ہیں اور لوگ بھی ان کے معتقد ہوتے ہیں، لیکن جن لوگوں کی قوتِ بہیمی ضعیف ہوتی ہے، انہیں دنیا میں کوئی نہیں جانتا اور نہ وہ خلق میں زیادہ مشہور ہوتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ شدید ملکی قوت والے تو لوگوں میں خال خال پیدا ہوتے ہیں۔ البتہ جن میں ملکی قوت ضعیف ہوتی ہے، وہ دنیا میں بڑی کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح شدید بہیمیت والے خال خال ہی نظر آتے ہیں اور جن کی بہیمیت ضعیف ہوتی ہے، ان کی بڑی کثرت ہوتی ہے۔ جو شخص اہل اصطلاح میں سے ہے، اس کے لئے عالم تجرد بمنزلہ ایک خواب فراموش کے ہوتا ہے۔ اگر وہ شخص ملکی قوت شدید رکھتا ہے، تو عالم تجرد کے حقائق مناسب صورتوں میں اس کے لئے متشکل ہوتے ہیں۔ اس کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ عالم تجرد سے الفاظ کے ذریعہ مکالمات کر سکتا ہے۔ اہل اصطلاح میں سے جس کی ملکی قوت ضعیف ہوتی ہے، اس کو عالم تجرد کی کوئی چیز بھی متشکل نظر نہیں آتی۔

نسمہ کے بارے میں اوپر بتایا گیا ہے کہ وہ نام ہے روح ہوائی کا۔ اور روح ہوائی نتیجہ ہے انسان کے اندر جو قوائے ہیں ان کے باہمی عمل و ردّ عمل کا۔ "ہمعات" ہی میں ایک اور جگہ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ نسمہ کے اصلی شعبے ہیں۔ قلب، عقل اور طبیعت۔ نفس کی کیفیات و احوال کا مرکز قلب ہے۔ عقل علوم کی حامل ہوتی ہے۔ اس کی حد وہاں سے شروع ہوتی ہے، جہاں حواس کی حد ختم ہوتی ہے۔ عقل کا کام یہ ہے کہ وہ ان چیزوں کا جن تک نہ انسان کی قوتِ احساس کی دسترس ہے نہ اس کے وہم کی، تصور کر لیتی ہے۔ اور ان میں سے جس کی اسے تصدیق کرنا ہوتی ہے، اس کی تصدیق کرتی ہے نسمے کا تیسرا شعبہ طبیعت ہے۔ وہ چیزیں جن کے بغیر انسان کی زندگی قائم نہیں رہ سکتی، جیسے کھانا پینا نیند وغیرہ، طبیعت انسان کے ان جبلی تقاضوں کی حامل ہے،

انسان پر اگر بہیمی قوت کا غلبہ ہو جائے تو اس کا قلب، قلب بہیمی بن جاتا ہے۔ اس صورت میں شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ وہ ٹھوس مادی نفسانی لذتوں کی طرف مائل ہوتا ہے اور اسے شیطانی وسوسے اپنا مرکب بنا لیتے ہیں۔ جس شخص میں ملکی اور بہیمی قوتیں ہم آہنگ ہوں،

اس کے مزاج میں اعتدال پیدا ہو جاتا ہے، ایسے شخص کا قلب، قلب انسانی ہوتا ہے۔ اس کی محبت، اس کا خوف، اس کی رضامندی اور اس کی ناراضگی، یہ سب چیزیں حقانیت پر مبنی ہوتی ہیں

قلب انسانی رکھنے والے شخص کی اور خصوصیات یہ ہیں :- "جس شخص میں قلب انسانی ہوتا ہے اسے مجاہدہ کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ وہ اس طرح دل کو غفلت سے باز رکھ سکے۔ قلب بہیمی رکھنے والے شخص کا نفس نفس امارہ ہوتا ہے اور قلب انسانی والے کا نفس لوامہ۔ اس کی عقل عقل انسانی کہلاتی ہے۔ یہ اس چیز کی تصدیق کرتی ہے، جس کی تصدیق کرنی چاہیئے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ "قلب انسانی، نفس لوامہ اور عقل انسانی کا مقام نیکوکاروں اور علمائے دین کا ہے اور احکام شریعت کا عمل دخل اس مقام کے لوازم میں سے ہے۔ جس شخص میں ملکوتی قوت کا غلبہ ہو۔ اور اسکے مقابلے میں اس کی بہیمی قوت اس طرح زیر ہو جائے گویا کہ اس کا کہیں وجود نہ تھا، تو اس شخص کا قلب "روح" بن جاتا ہے، اس مقام پر اسے مجاہدوں اور ریاضتوں سے نجات مل جاتی ہے۔ اسے "قبض" کے بغیر "بسط" کی کیفیت میسر آتی ہے۔ قلق اور اضطراب کے بغیر وہ الفت و محبت سے بہرہ یاب ہوتا ہے۔ بے ہوش ہوئے بغیر اسے وجد آتا ہے اور اس طرح اس شخص کی عقل ترقی کر کے "سر" بن جاتی ہے۔"

قلب بہیمی سے اوپر کا درجہ قلب انسانی کا ہے۔ اور اگر قلب انسانی رکھنے والے شخص کی قوت ملکی اس کی قوت بہیمی پر پوری طرح غالب آجائے، تو اس شخص کا قلب انسانی "روح" بن جاتا ہے، اور "روح" سے ترقی کر کے اس کی عقل "سر" بن جاتی ہے۔

"سر" کے مقامات پر بحث کرتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں :- "عقل جب "سر" کی منزل پر پہنچتی ہے تو وہ غیب سے بلند مرتبہ علوم و معارف حاصل کرتی ہے لیکن اس کا ان علوم کے حصول کا طریقہ وہ نہیں ہوتا، جو عام طور پر جاری و ساری ہے یعنی یہ کہ فراست سے کوئی بات معلوم کر لی۔ یا کشف سے کسی علم کو حاصل کر لیا۔ یا ہاتف سے کوئی بات سن لی۔ وہ شخص جس کی عقل "سر" بن جاتی ہے، وہ "مقام بے نشانی" کو اپنا نصب العین بناتا ہے۔ اس شخص کا نفس نفس مطمئنہ ہوتا ہے کہ شرع و عقل کی مرضی کے خلاف وہ کسی خواہش کا خیال تک نہیں کرتا اور اس کے دل میں جو خیالات اٹھتے ہیں، وہ بھی صراط مستقیم کے مطابق ہوتے ہیں۔ باقی اس شخص کے

اعمال کا لوگ کیا کہتا۔ یہ ولایت صغریٰ کا مقام ہے، قلب انسانی رکھنے والا شخص جب ترقی کرتے کرتے اس مقام پر پہنچتا ہے کہ اس کا نفس، نفس مطمئنہ، قلب "روح" اور عقل "ستر" ہو جاتی ہے۔ تو اگر عنایت الٰہی اس کے شامل حال رہے، تو وہ اس مقام سے اور آگے ترقی کرتا ہے۔ اور یہاں اس کے سامنے دو راہیں کھلتی ہیں۔ ایک ولایت کبریٰ کی راہ، دوسری مفہمیت کی راہ مفہمیت کو نور نبوت اور وراثت نبوت کا بھی نام دیا گیا ہے۔

ولایت کبریٰ کے مقام کی شاہ صاحب یوں وضاحت فرماتے ہیں:- جب انسان نسمہ اور اس سے متعلقہ قوتوں کو اپنے آپ سے الگ کر دے۔ لیکن نسمہ اور اس سے متعلقہ قوتوں کو اپنے آپ سے جسمانی طور پر الگ کرنا ممکن نہیں ہوتا، علیحدگی کا یہ عمل صرف بصیرت اور حال و کیفیت ہی کے ذریعہ ہوتا ہے غرض جب یہ شخص نسمہ اور اس سے متعلقہ قوتوں کو اپنے آپ سے الگ کر دے۔ اس کے بعد وہ اپنے آپ میں غور کرے اور اپنے باطن کی گہرائیوں میں ڈوب جائے۔ تو اس حالت میں نفس کلیہ جو کل کائنات کی اصل ہے، اس شخص پر منکشف ہو جاتا ہے۔ عام اہل اللہ نے اس نفس کلیہ کا نام "وجود" رکھا ہے۔ کائنات میں اس کے ہر جگہ جاری و ساری ہونے کے علم کو وہ "معرفت سریان وجود" کہتے ہیں۔

شاہ صاحب کے نزدیک انسان کی بلند ترین ترقی کا ایک مقام تو ولایت کبریٰ کا ہے۔ اور دوسرا مقام مفہمیت ہے۔ جسے نور نبوت اور وراثت نبوت بھی کہتے ہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:- "مفہمیت کی حقیقت یہ ہے کہ جب نفس ناطقہ نسمہ کی غیر لطیف قوتوں سے اعراض کر لیتا ہے، تو وہ ملاء اعلےٰ سے ملحق ہو جاتا ہے۔ اسی حالت میں نفس ناطقہ میں وہ علمی صورتیں منکشف ہو جاتی ہیں، جو ملاء اعلےٰ میں موجود ہوتی ہیں۔ اس طرح انسان کا نفس ناطقہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ واجب الوجود کی معرفت کو ان معنوں میں کہ اس ضمن میں قدرت خداوندی کے جملہ کمالات از قسم ابداع، خلق، تدبیر اور تدلی کا علم بھی آجائے۔ اجمالی طور پر حاصل کر سکتا ہے مقام مفہمیت کے حامل ان افراد کاملین کے کلام میں تشبیہات کی بڑی کثرت ہوتی ہے، گو تشبیہات کے ساتھ ساتھ ان کے کلام میں کہیں کہیں تنزیہی پہلو بھی ملے ہوتے ہیں۔ نیز ان افراد کاملین کو نوامیس الٰہیہ یعنی اللہ تعالےٰ کے شرائع و قواعد کے احکام کا علم حاصل ہوتا ہے

اور حظیرۃ القدس میں نئے نئے حالات کے مطابق جو فیصلے ہوتے ہیں، یہ ان سے با خبر رہتے ہیں۔

شاہ صاحب کے نزدیک مفہمیت کو نور نبوت اور وراثت نبوت بھی کہتے ہیں۔ نبوت اور مفہمیت میں جو فرق ہے، آپ نے اسے بڑی تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں

" نبوت کی حقیقت یہ ہے کہ وہ دو جانب سے معرض وجود میں آتی ہے۔ اس کی ایک جانب تو نبوت قبول کرنے والے کی ہوتی ہے۔ چنانچہ جب نفس ناطقہ مقام مفہمیت حاصل کر لیتا ہے تو نبوت کی ایک شرط یا ایک جانب پوری ہو جاتی ہے۔ نبوت کی دوسری جانب اللہ تعالٰے کی طرف سے نبی کا مبعوث کیا جانا ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کی تدبیر اس امر کی متقاضی ہوتی ہے کہ وہ کسی قوم کو اس کے اعمال بد سے ڈرائے، اس کو راہ ہدایت کی طرف بلائے اور اس میں مفاسد و مظالم دور کرنے اور اس قبیل کے دوسرے امور کو سرانجام دینے کے لئے کسی شخص کو مبعوث کرے، تو اس طرح نبوت کی دوسری شرط یا دوسری جانب پوری ہو جاتی ہے"

غرض شاہ صاحب کے نزدیک نبوت کا قیام دو امور سے وجود میں آتا ہے۔ ایک نبی کے نفس ناطقہ کی ذاتی صلاحیت، اس کا نام مفہمیت ہے اس کو نور نبوت اور وراثتِ نبوت کہنے کی یہ وجہ ہے۔ دوسری چیز اللہ تعالٰے کا کسی شخص کو نبی مبعوث کرنے کا ارادہ ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ نبوت تو ختم ہو گئی، لیکن مفہمین برابر پیدا ہوتے رہیں گے، جن کا کام دین کی تجدید کرنا ہوگا۔ ان کے اس ارشاد کی مزید وضاحت یہ ہے۔

" ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد گو نبوت ختم ہو گئی، لیکن اجزائے نبوت کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ اجزائے نبوت سے یہاں مراد مفہمیت سے ہے۔ جس کا کہ سلسلہ اب تک منقطع نہیں ہوا۔ وہ بزرگ جو مقام مفہمیت پر سرفراز ہوتے ہیں۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے نائب کی حیثیت سے دین کی تجدید فرماتے ہیں۔ نیز وہ سلوک و طریقت میں ارشاد و ہدایت کے منصب پر فائز ہوتے ہیں اور جو برائیاں لوگوں میں پھیلی ہوتی ہیں۔ ان کا سدباب کرتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جو حالات و اسباب اس امر کے متقاضی ہوتے ہیں کہ ایک نبی دنیا میں مبعوث ہو، بعینہ اسی طرح کے حالات و اسباب ان افراد مفہمین کے ظہور کا بھی تقاضا کرتے ہیں کہ وہ نبی کے بعد آئیں۔ اس کے دین کی تجدید کریں۔ سلوک و طریقت کی

طرف لوگوں کو ہدایت دیں اور مفاسد کا قلع قمع کریں۔

شاہ صاحب کے نزدیک مقیمیت تک پہنچنے کے یہ جتنے بھی مقامات ہیں، یہ سب سالک کے ارادہ و قصد اور اس کے مجاہدے اور ریاضت سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ اس میں قوائے بہیمیہ و ملکیہ اس تناسب سے ہوں، جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔

شاہ صاحب نے اپنی کتاب "الطاف القدس فی معرفۃ لطائف النفس" میں اس امر پر بحث کی ہے کہ انسان کے اندر اللہ تعالے نے یہ جو صلاحیتیں رکھی ہیں وہ کس طرح ان کی تہذیب کر کے ان کو شائستہ بنا کر اور ان کو سنوار کر اس قابل بنا سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالے کے فیوض و برکات کی حامل ہو سکیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:۔

روح ہوائی کی خاصیت یہ ہے کہ وہ انسان کے طبعی عناصر سے امداد حاصل کرتی ہے اور عالم ناسوت (مادی عالم) میں قرار پذیر ہوتی ہے۔ جب تک یہ جوارح سے مغلوب رہتی ہے۔ اور اس کا کام ان افعال کو پورا کرنا ہوتا ہے، جو جوارح سے صادر ہوتے ہیں، تو اس حالت میں یہ نفس بہیمی ہوتا ہے۔ اور جب یہ جوارح کے اعمال اور مقتضیات میں بالکل کھو نہیں جاتی، اور وہ اخلاق و صفات جو ارواح قلبیہ ودماغیہ سے تعلق رکھتے ہیں، اس پر غالب آجاتے ہیں، تو اس حالت میں یہ نفس انسانی ہوتا ہے۔ روح ہوائی کی تیسری حالت یہ ہے کہ قلبی ودماغی ارواح میں سے کسی ایک کے اخلاق و صفات اس پر پوری طرح غالب آجائیں اور یہ ان سے مغلوب و مقہور ہو جائے۔ تو اس حالت میں یہ نفس ملکی ہوگا۔

شاہ صاحب کے نزدیک روح ملکوتی کی خاصیت یہ ہے کہ وہ روح القدس سے کہ جو حظیرۃ القدس میں قائم ہے، ہوتی ہے اور اس کے ساتھ اتصال پیدا کرتی ہے۔ ملاء اعلیٰ میں اس کا قدم راسخ ہوتے ہیں۔ ملاء اعلیٰ کے فرشتوں سے اپنی استعداد کے مطابق اسے ہم زبانی نصیب ہوتی ہے اور افلاک کی روح سے اس کے دل پر رموز و اسرار کا فیضان ہوتا ہے۔

انسان کے جوارح اور ان کے اعمال و مقتضیات سے متعلق تین ظاہری لطیفے ہیں، قلب نفس اور عقل۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ان کی تہذیب و اصلاح کا منصب شریعت کا ہے اور وہ یوں کہ بنی آدم نفس امارہ کی قید میں گرفتار تھے اور شیطان نے ان پر غلبہ پا رکھا تھا۔

مدبر السموات والارض نے بنی آدم ہی سے ایک ہستی کو منتخب کیا اور اس کے دل میں ان اشیاء کا علم ڈالا، جن سے اس مصیبتِ عامہ کا علاج ہو سکے۔ اور اس ہستی کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ یہ علم ان لوگوں کو جبراً و کرہاً یاد کرائیں اور اس کا انہیں پابند بنائیں۔ انسان کی اس مصیبت عامہ کو دور کرنے کے لئے جو علاج عنایت ہوتا ہے، اسے شریعت کہتے ہیں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء کی شریعتوں کا اصل اصول یہ چار خصلتیں ہیں۔ سب نے انہی کی دعوت دی اور انہیں ہی اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔ نہ تو نسخ کا ان کی طرف راستہ ہے اور نہ ہی ان میں تغیر و تبدل کی گنجائش ہے۔ اور مختلف شریعتوں میں جو اختلاف پایا جاتا ہے وہ ان کے اشباح و قوالب میں ہے نہ کہ ان کی حقیقت اور مغز میں۔

دم بدم گر شود لباس بدل
مرد صاحب لباس را چہ خلل

یہ چار خصلتیں طہارت، خضوع، سماحت، اور عدالت ہیں۔

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ شریعت کے عمل و تدبیر کے دو پہلو ہیں۔ ایک نیک کام کرنے، اور بُرے کاموں سے بچنے کے بارے میں رشد و ہدایت سے متعلق ہے اور ملتِ حقّہ کے شعائر کا قیام بھی اسی سے تعلق رکھتا ہے۔ اب جہاں تک نیک کام کرنے، بُرے کاموں سے بچنے اور ملتِ حقّہ کے شعائر کے قیام کا معاملہ ہے ان تینوں کو مؤقت و محدود بنایا گیا ہے اور سب مکلفین پر ان کی پابندی لازمی کی گئی ہے۔ اور شاہ صاحب کے الفاظ ہیں۔

"و آن ظاہر شرع است ومسمّی باسلام"

اور شریعت کے عمل و تدبیر کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اوپر جن چار خصلتوں (طہارت، خضوع، سماحت اور عدالت) کا بیان ہوا ہے، ان کی حقیقت تک پہنچا جائے، اور اس طرح نفوس کا تزکیہ و تہذیب ہو۔ یعنی نیک کاموں کی جو ظاہری شکلیں ہیں، ان کی روح تک رسائی ہو، اور بُرے کاموں سے محض ظاہراً نہ بچا جائے۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان بُرے کاموں کی جو اصل حقیقت ہے، اس سے بچا جائے۔ غرض انسان ان سے صورتاً و ظاہراً کے ساتھ ساتھ اصلاً و معناً بھی بچے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:- "و این باطن شرع است ومسمّی باحسان"

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جن نفوس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہیمی و ملکی قوتیں بقدر وافر اور صحیح تناسب کے ساتھ عطا ہوئی ہیں، وہ اس طرح یعنی پہلے ظاہر شریعت کے پابند ہوکر اور پھر باطن شریعت یعنی احسان "کی راہ پر عمل پیرا ہوکر ان مقامات بلند تک پہنچ سکتے ہیں۔ جن کا بڑی تفصیل سے اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ ان مقامات میں سے سب سے بلند مقام ولایت کبریٰ اور مفہیمت کے ہیں۔

خدا تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کے لئے یہ مقدر ہو چکا ہے کہ وہ اپنے "انا" میں جو عبارت ہے ان کی "ہویت" سے، توحید صفاتی کا جلوہ دیکھیں، یعنی ان کے لئے ان کا یہ "انا" آئینہ بنتا ہے اس اصل کا جس نے کہ مختلف مظاہر کائنات میں ظہور فرمایا ہے۔ چنانچہ ہوتا یہ ہے کہ جب سالک اپنے "انا" پر نظر ڈالتا ہے تو اس کی نظر اپنے "انا" تک رک نہیں جاتی، بلکہ وہ اس "انا" کے واسطے سے اصل وجود تک جو سب "اناؤں" کا مبدائے اوّل ہے، پہنچ جاتی ہے۔ جب سالک اس مقام پر پہنچتا ہے تو اس کی نظر میں صرف اصل وجود رہ جاتا ہے اور یہ تمام کے تمام مظاہر و اشکال بیچ سے غائب ہو جاتے ہیں۔ یہ توحید ذاتی کا مقام ہے۔ جب سالک "توحید ذاتی" کی نسبت حاصل کر لیتا ہے تو وہ حقیقت الحقائق یعنی ذات باری کی طرف کلیتہً ملتفت ہو جاتا ہے۔"

(از ہمعات اردو ترجمہ)